© rasailojaraid.com

قسط:۱۷

ورق ورق زندگی

پروفیسر خالد شبیر احمد

مہر فراز ڈاہر سے دوستی:

زندگی کے مختلف ادوار میں دوست بنتے اور بچھڑتے رہے ہیں۔ دوستی ایک نفسیاتی سہارا بھی ہے اور معاشرتی ضرورت بھی۔ بچپن کے دوست جن میں خاص طور پر عزیز بھراڑہ مرحوم، مشتاق تھہیم مرحوم، اور مشتاق ماہرہ مرحوم قابلِ ذکر ہیں۔ فیصل آباد میں میرے ساتھ نہ رہے تو نئے دوست بننے اور بنانا ایک فطری عمل تھا۔ سکول میں میری دوستی مہر فیروز ڈاہر سے ہوئی جو وقت کے ساتھ ساتھ گہری سے گہری ہوتی چلی گئی، جس نے دوستی کی اہم ضرورت کو بڑے اچھے انداز سے پورا کیا۔ مہر فیروز ڈاہر کا ''ہندوآنہ'' جواب مصطفیٰ آباد کہلاتا ہے پنڈی بھٹیاں کے قریب ایک گاؤں کے ساتھ تعلق ہے۔ یہ وہاں کی ایک معروف زمیندار فیملی سے تھے۔ جو تعلیم حاصل کرنے کے لیے فیصل آباد کے محلّہ طارق آباد میں ایک مکان میں مقیم تھے۔ جو بالکل سکول کے ساتھ ہی تھا۔ اس لیے سکول سے اُن کے مکان تک چند قدموں کا فاصلہ بھی ہم دونوں کی دوستی کو آگے بڑھانے کا سبب بن گیا۔ اکٹھے پڑھتے فارغ وقت میں وہ اپنے گھر لے جاتا اور کبھی کبھی ہمارے گھر بھی مجھے ملنے کے لیے آجاتا۔ آٹھویں، نویں اور دسویں تک ہم دونوں اکٹھے رہے اور گہرے دوست بن گئے، سکول کے علاوہ جہاں کہیں بھی شہر میں جاتے اکٹھے جاتے، مہر فیروز نے دوستی کی وجہ سے ہاکی کھیلنا شروع کر دی۔ اگرچہ وہ سکول کی ٹیم میں جگہ نہ بنا سکا لیکن شام کو ہاکی گراؤنڈ میں ہم اکٹھے ہو جاتے۔ مہر فیروز کے علاوہ ہاکی کے دوسرے اہم کھلاڑی بشیر بھی میرا اچھا دوست تھا جس کی والدہ کے لیے میں نے خون دیا تھا۔ پھر شبیر کے دونوں بھائی یعقوب اور نذیر بھی ہاکی کے کھلاڑی تھے۔ منیر چغتائی، خدا بخش، اکبر اور شریف یہ چند نام ذہن میں رہ گئے ہیں جو طارق آباد سکول میں ہاکی ٹیم کے رکن بھی تھے اور میرے دوست بھی۔ لیکن جو تعلق مہر فیروز سے زندگی بھر برقرار رہا اور کسی دوسرے دوست سے نہ رہ سکا کہ زندگی میں بعض لوگ قریب ہو کر بچھڑ جاتے ہیں اور بعض نئے لوگ جو دور ہوتے ہیں نزدیک آ کر دوست بن جاتے ہیں۔ میری زندگی کی اس کہانی میں مہر فیروز ڈاہر کا ذکر اپنی اپنی جگہ پر آئے گا جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے تعلق انتہائی گہرا اور مخلصانہ تھا اور ہے، یہ الگ بات کہ اب ہم دونوں عمر کے ایک ایسے حصے میں ہیں جہاں آ کر بندے کی طرح دوستی بھی بوڑھی ہو جاتی ہے۔ وہ اب اپنی ضعیفی کے سبب اپنے گاؤں میں مقیّد ہو کے رہ گیا ہے۔ اور میرا بھی تقریباً یہی حال ہے۔ سارا وقت تقریباً گھر میں ہی بسر ہوتا ہے۔

مہر فیروز کے گھر طارق آباد میں کبھی کبھی اُن کے بھائی مولا داد سے بھی ملاقات ہو جاتی جو غالباً اُس وقت بی۔ اے کے طالب علم تھے۔ ایک دن مجھے اُن کے بھائی کہنے لگے کہ کبھی اپنے دوست کو پڑھنے کے لیے بھی کہا کرو، یہ تو نہایت نالائق ہے۔ کل اس کا تاریخ کا پرچہ تھا میں نے اس سے پوچھا کہ پرچہ کیسے ہوا؟ کہنے لگا بہت اچھا۔ باقی پرچے کا تو مجھے علم نہیں ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوال تو میرا بالکل ٹھیک ہے، میں نے کہا کون سا؟ کہنے لگا۔ یہ کہ ''اکبر کے عہد کے حالات قلم بند کرو۔ میں نے کہا تو کیا جواب لکھا۔ بولا کہ جواب دینے کی ضرورت کیا تھی میں قلم بند کر کے گھر چلا آیا۔ اس پر میں ہنس رہا، میں نے کہا کہ ایسے ہی اس نے مذاق میں بات کہہ دی ہے۔ اتنا نالائق نہیں ہے، اور جتنا نالائق ہے وہ نالائقی اپنی ذہانت سے پُر کر لیتا ہے۔ مجھے کہہ رہا تھا کہ میں نے کمرۂ امتحان میں آگے بیٹھے ہوئے کو کہا کہ پرچہ میرے آگے رکھو نقل کرنی ہے، اس نے جواب دیا کہ میں تو عربی کا پرچہ کر رہا ہوں اور تو فارسی کا۔ اس پر مہر صاحب نے کہا کہ یہ تم مجھ پر چھوڑ دو پرچہ میرے آگے کرو، اب ایسی باتیں یہ عموماً کرتا رہتا ہے۔ اتنا نالائق نہیں ہے جتنا وہ باتوں میں آپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے۔ آپ اس کے لیے زیادہ فکر مند نہ ہوں، میٹرک تو وہ کر ہی لے گا۔

دسویں جماعت میں:

مڈل پاس کرنے کے بعد میٹرک میں گھر والوں کے کہنے پر میں نے سائنس ڈرائنگ کے مضمون رکھ لیے۔ ایک دن ماسٹر رحمت علی جو مجھے آٹھویں میں اردو پڑھاتے تھے اور میری اردو دانش سے متأثر بھی تھے، مجھ سے اتفاقاً ملے تو انہوں نے پوچھا کہ بیٹا میٹرک میں کون سے مضامین رکھے ہیں؟ میں نے جواب دیا ''سائنس ڈرائنگ'' بے ساختہ آہ بھرتے ہوئے انہوں نے کہا:

''نہیں بیٹا تم تو سائنس ڈرائنگ کے آدمی نہیں ہو تم تو اردو فارسی کے آدمی ہو''

مجھے اُن کی یہ بات یاد ہے اور حقیقتاً یہ بات بعد میں درست بھی ثابت ہوئی کہ نہ مجھے سائنس ڈرائنگ آئی نہ ہی اردو فارسی، جب دسویں جماعت میں آیا تو حساب کا مضمون میرے لیے ایک اہم مسئلہ بن گیا۔ مجھے الجبرا تو بالکل نہیں آتا تھا۔ اور پڑھاتے بھی ہیڈ ماسٹر صاحب تھے۔ الجبرا کے بارے میں اُس وقت میں یہ کہتا تھا کہ ''یہ فرض کیا'' کیا بلا ہے کہ سوال حل کرنے سے پہلے ہی فرض کر لیا جاتا ہے۔ ''فرض کیا، آخر کیوں فرض کیا؟

بہر حال حساب اور الجبرا پڑھنا تھا پڑھتا رہا اور پھر جیومیٹری بھی مجھے کچھ اچھی نہ لگی جو الجبرے کے ساتھ اس طرح نتھی تھی جیسے خاوند کے ساتھ بیوی نتھی ہوتی ہے۔ اس پر استاد دامن کا وہ شعر میرے ذہن آ گیا ہے جو اس نے ''کو ایجوکیشن'' پر طعن کرتے ہوئے کہا تھا۔

ایہہ کالج اے کڑیاں تے مُنڈیاں دا، یا کوئی فیشن دی ایہہ فیکٹری اے
ایتھے مُنڈے کڑیاں نال انج پھردے، جیویں الجبرے دے نال جومیٹری اے

دسویں جماعت میں حساب اور جیومیٹری میری طالب علمانہ زندگی کا روگ بن گئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب یونیورسٹی میں سالانہ امتحان کا داخلہ بھیجنے کے لیے سکول میں داخلہ ٹیسٹ ہوا تو میں تین مضامین میں فیل تھا، انگریزی، حساب اور سائنس۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے اس نتیجے پر مجھے اپنے دفتر میں طلب کر لیا اور میری سرزنش کرتے ہوئے کہا:

''تم نے اپنے دو برسوں کی مطالعاتی کمائی دیکھ لی ہے۔ تین اہم ترین مضامین میں تم فیل ہو، ہم نے تمہیں صرف ہاکی کھیلنے اور تقریریں کرنے کے لیے تو سکول میں داخل نہیں کیا تھا۔ میٹرک کا امتحان پاس کرنا تمہاری بنیادی ذمہ داری ہے جس کی طرف تم نے کوئی توجہ نہیں دی۔ لہٰذا اب تمہاری سزا یہ ہے کہ اس سال تمہارا دسویں کے امتحان کا داخلہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روک دیا جاتا ہے۔ تم ایک سال اور دسویں میں رہو اور اگلے سال میٹرک کا امتحان دو۔“

میں ہیڈ ماسٹر صاحب کی اس سرزنش کو بڑے اطمینان کے ساتھ سن رہا تھا اور اپنے اس بھدے نتیجے پر شرمندہ بھی تھا۔ لیکن اس دوران مجھے ایک لمحے کے لیے بھی ان کے اس فیصلہ سے اتفاق نہیں تھا کہ امتحان اگلے سال دو۔ میں نے اپنے پورے عزم کے ساتھ جواب سوچ لیا تھا جو یہ تھا:

”سر ایسا نہیں ہے میں جانتا ہوں کہ میں ان تین مضامین میں کیوں فیل ہوا ہوں۔ آپ میرا داخلہ بھیجئے میں آپ کو پاس ہو کر دکھاؤں گا۔ یہ میرا اپنے پورے عزم کے ساتھ فیصلہ ہے۔ ان شاء اللہ میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔ آپ جس شفقت کا مظاہرہ میرے ساتھ کرتے ہیں اسے جاری رکھیے اور میرا داخلہ بھیج دیجئے، آپ کی مہربانی ہوگی۔“

جب میں یہ کہہ رہا تھا تو ہیڈ ماسٹر صاحب شاید میری نفسیاتی کیفیت کا اندازہ لگا رہے تھے یا پھر میرے الفاظ اس طرح میرے دل سے نکلے کہ وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور انہوں نے کہا کہ اچھا داخلہ بھیج دیتے ہیں اور تمہارا یہ فیصلہ کہ تم پاس ہو کے دکھاؤ گے بھی دیکھ لیں گے۔ اس طرح میرا داخلہ چلا گیا۔ لیکن اس کے بعد جب میں نے اس عزم کا خود تجزیہ کیا تو بار بار اس نتیجے پر پہنچا کہ سائنس اور انگریزی تو میں پاس کر لوں گا۔ اس حساب الجبرا اور جیومیٹری کا کیا بنے گا؟ میں سکول کے ایک استاد جو اس وقت حساب پڑھانے میں اچھی خاصی شہرت رکھتے تھے، قاضی صاحب، پورا نام یاد نہیں سے ملا اور انہیں درخواست کی کہ آپ مجھے حساب کی ٹیوشن پڑھائیں۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا کہ ایک سو روپیہ لے کر آؤ پڑھا دوں گا۔ اس وقت (۱۹۵۲) میں ایک سو روپیہ سُن کر میں تو جیسے سکتے میں آ گیا۔ اور خود محنت کر کے حساب کو اپنے ٹائم ٹیبل کے ساتھ پڑھنا شروع کیا۔ چند ضروری قواعد جن جس میں تجارت، تناسب اور اس طرح کے دوسرے سوال عموماً آتے ہیں، میں نے اچھی طرح سے تیار کر لیے اور جیومیٹری کے تمام مسئلے اس طرح یاد کر لیے کہ جیسے حافظ کو قرآن یاد ہوتا ہے۔ الجبرے کو پھر بھی میں نے ہاتھ تک نہ لگایا۔ انگریزی اور سائنس میں تو ہاکی کی مصروفیت کی وجہ سے توجہ نہ دے سکا اس لیے فیل ہو گیا تھا۔ جب ہاکی رکھ دی اور تیاری شروع کی تو میرے لیے یہ دونوں مضامین تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھے۔

طالب علمانہ منصوبہ بندی میں ناکامی:

میری زندگی میں یہ واقعہ چونکہ خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس لیے اسے بیان کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انسان خواہ عمر کے کسی بھی حصے میں ہو ایسے منصوبے بناتا ہے جس سے اُسے فائدہ ہو، خواہ ایسے منصوبے اخلاقی اقدار کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔ ”ہابس“ مشہور سیاسی مفکر نے کسی حد تک یہ درست کہا تھا کہ:

”انسان فطرتاً خود غرض واقع ہوا ہے“

اللہ اللہ کر کے میٹرک کے امتحان شروع ہوئے۔ پاکستان ماڈل ہائی سکول، ہم طارق آباد سکول کے دسویں کے طلباء کا مرکز جہاں بیٹھ کر ہم نے میٹرک کا امتحان دینا تھا۔ ہم تین دوست مہر فیروز، بشیر اور میں اکٹھے وہاں جاتے اور ہر پرچے کے بعد آپس میں بیٹھ کر اپنے دیے گئے پرچے پر گفتگو کرتے کہ پرچہ کیا ہوا ہے؟ جب حساب کا پرچہ دے کر نکلے تو حسب معمول حساب کے پرچے پر گفتگو ہوئی۔ میں نے کہا کہ پرچہ میری اُمید سے بھی اچھا ہو گیا ہے۔ بشیر نے کہا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میرے تو سارے سوال ٹھیک رہے ہیں اور میں تو سَو میں سے سَو نمبر حاصل کر جاؤں گا۔ مہر فیروز سے پوچھا کہ تمہارا پرچہ کیا ہوا تو اس نے کہا کہ میری بات چھوڑو۔ تم شبیر کے بارے میں سوچو اس کا حساب کا پرچہ تو ٹھیک ہو گیا ہے اور حساب کے دوسرے پرچے یعنی بی پیپر میں ’’جیومیٹری اور الجبرا‘‘ آ رہا ہے جس میں یہ کمزور ہے اس کا کیا بنے گا۔ تینوں نے مل کر جب اس مسئلے کا حل تلاش کرنا شروع کیا تو نتیجہ ایک منصوبے کی صورت میں سامنے آیا۔

’’کہ جب جیومیٹری اور الجبرا کا پرچہ کمرۂ امتحان میں تقسیم ہو جائے تو شبیر اپنے سوالیہ پرچے کو پڑھے اور اندازہ لگائے کہ کیا وہ اس پرچے کے جواب میں اتنا کچھ لکھ سکتا ہے کہ وہ اس میں پاس ہو جائے۔ اگر وہ سمجھے کہ وہ اتنا لکھ سکتا ہے کہ پاس ہو جائے تو پھر جب ہال کا کلاک ۹ بجائے تو بشیر، شبیر کی طرف دیکھے اور شبیر بشیر کی طرف۔ ایسی صورت میں شبیر اپنے ناک کو ہاتھ لگا دے گا اور بشیر جو اس کے ساتھ والی قطار کے شروع میں بیٹھتا تھا وہ یہ سمجھ لے گا کہ شبیر اپنے پرچے میں اپنا رول نمبر لکھ کر اپنا پرچہ خود ہی کر لے گا اور اگر شبیر یہ سمجھے کہ پرچہ مشکل ہے اور اس میں اسے پاس ہونے کے لیے جو کچھ لکھنا ہے وہ نہیں آتا تو ایسی صورت میں شبیر اپنے کانوں کو ہاتھ لگا دے گا۔ اور بشیر یہ سمجھ جائے گا کہ شبیر اپنے پرچے کو مشکل سمجھ رہا ہے۔ منصوبہ یہ تھا کہ ایسی صورت میں بشیر اپنے پرچے پر شبیر کا رول نمبر لکھ دے گا اور شبیر اپنے پرچے پر بشیر کا رول نمبر لکھ دے۔ اس طرح شبیر کے حساب کا بی پرچہ بشیر کا ہو جائے اور بشیر کے حساب کا بی پرچہ شبیر کا ہو جائے گا۔ چونکہ اس مضمون میں بشیر لائق ہے اس طرح شبیر کا پاس ہونا یقینی ہو جائے گا۔ یہ منصوبہ ہم تینوں نے منظور کر کے اس کے مطابق عمل کرنے کا عہد کیا اور اپنے اپنے گھروں کو چلے آئے۔ اگلے روز جب کمرۂ امتحان میں سوالیہ پرچے تقسیم ہوئے تو میں نے پرچہ پڑھ کر اندازہ لگا لیا کہ میں اس پرچے میں ان شاء اللہ اتنا لکھ سکتا ہوں کہ پاس ہو جاؤں گا۔ لیکن نہ جانے کیوں میں لالچ میں آ گیا کہ مجھے اگر بشیر کا پرچہ مل گیا تو میرے میٹرک کے امتحان میں نمبر زیادہ ہو جائیں گے۔ اس لیے جب ہال کے گھڑیال نے ۹ بجائے اور میں نے بشیر کی طرف دیکھا اور اس نے میری طرف دیکھا تو میں نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگا دیا۔ جس کے جواب میں بشیر نے سر کو نیچے کی طرف جھکا لیا یعنی ٹھیک ہے۔ میں منصوبے کے مطابق اپنے پرچے پر تمہارا رول نمبر لکھ دوں گا۔

یہ عمل جو ہمارے منصوبے کا ایک اہم بنیادی مرحلہ تھا طے ہو گیا تو پھر میں نے اپنے جوابی پرچے کے پہلے صفحے پر بشیر کا رول نمبر تحریر کر دیا۔ اور دو جگہ درمیانی اوراق پر بھی بشیر کا ہی رول نمبر لکھ کر اپنا پرچہ کرنا شروع کر دیا۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے اپنے اس پرچے پر اتنا کچھ لکھ دیا تھا جو میرے پاس ہونے کے لیے کافی تھا۔ لیکن اب یہ پرچہ میرا نہیں تھا بشیر کا تھا۔ کیونکہ اس پر میں نے اپنا رول نمبر نہیں بشیر کا رول نمبر لکھ دیا تھا۔

منصوبے کا آخری مرحلہ جب سامنے آیا تو میرے چہرے کا رنگ اڑ گیا ہاتھ کے طوطے اڑ گئے۔ پرچے کا وقت جب ختم ہو گیا تو میں نے وہ پرچہ جو میرا تھا لیکن جس پر بشیر کا رول نمبر درج تھا اپنی قطار کے نگران ماسٹر عبدالغنی کو دے دیا۔ جن کا تعلق ایم۔ سی سکول سے تھا۔ پرچہ انہیں دے کر میں جلدی سے بشیر کے پاس گیا وہ اپنے فالتو کاغذ یعنی Extra papers اُس وقت اپنی جوابی کاپی کے ساتھ نتھی کر رہا تھا میں نے بشیر سے پوچھا کہ بشیر تو نے اپنی جوابی کاپی پر میرا رول نمبر لکھ دیا ہے۔ اس کا جواب تھا ’’نہیں یار میں نے تو نہیں لکھا۔ میں نے تو ڈر کے مارے اپنے پرچے پر اپنا ہی رول نمبر لکھا ہے۔‘‘

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ جواب سن کر ایک دفعہ تو میں سکتے میں آ گیا۔ لیکن جلد ہی میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور اسے کہا کہ اب میں کیا کروں میں نے تو اپنی جوابی کاپی پر تیرا رول نمبر لکھ دیا ہے۔ اس نے کہا کہ تم اپنی لائن (قطار) کے نگران کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ کاپی واپس کریں تاکہ میں اپنا رول نمبر درست کرلوں جو مجھ سے غلطی سے غلط لکھا گیا ہے۔ میں نے فوراً اپنے نگران مولوی عبدالغنی سے رابطہ کیا اور اس سے اپنی جوابی کاپی واپس مانگی تاکہ میں اپنا رول نمبر درست کرلوں، اس نے کاپی تو مجھے واپس کر دی کاپی پر رول نمبر میں نے درست بھی کرلیا لیکن جب میں کاپی کے اندر لکھے ہوئے دو جگہ پر اپنا رول نمبر درست کرنے لگا تو انہوں نے میرے ہاتھ سے قلم بھی لے لیا اور میری جوابی کاپی بھی مجھ سے لے لی، مجھے کہنے لگے:

''یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک طالب علم جو اپنا آدھے سے زیادہ امتحان دے چکا ہے اپنا رول نمبر ہر جگہ غلط لکھ دے۔ یعنی اسے اپنا رول نمبر ہی یاد نہ رہے۔ یہ تو دال میں کچھ کالا کالا معلوم ہوتا ہے۔ اصل مسئلہ کیا ہے وہ بتاؤ۔''

میں نے محسوس کیا کہ ہمارا منصوبہ چونکہ ناکام ہو گیا ہے اور میں اس جرم میں پکڑا گیا ہوں اس لیے میں نے اصل منصوبہ جو ہمارے درمیان طے ہوا تھا سارے کا سارا بیان کر دیا۔ اس پر اس نے میرے پرچے یعنی میری جوابی کاپی کا بغور مطالعہ کیا اور اپنی حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ پرچہ تو تم نے اتنا اچھا کیا ہے کہ اس میں تمہارے اچھے نمبر آ سکتے تھے۔ لیکن اب تمہاری رپورٹ تو ضرور کرنا ہے۔ چنانچہ اس نے معاملہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے سپرد کر دیا۔ جس نے کہا کہ تم اب یہ ساری کہانی لکھ کر نیچے اپنے دستخط کر دو تاکہ یہ معاملہ سپرنٹنڈنٹ کے سامنے پیش کیا جائے۔

مہر فیروز جو کہ اس ہال کے دروازے پر کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اس نے اندازہ لگا لیا کہ شبیر پکڑا گیا اور منصوبہ ناکام ہو گیا ہے وہ بھاگا اور جلدی سے ماسٹر خادم حسین جو ہمارے سکول کی ہاکی ٹیم کے انچارج تھے اور انگلش ٹیچر بھی تھے انہیں لے کر آ گیا۔ خوش قسمتی سے اُن کا گھر بھی نزدیک تھا اور وہ جلدی موقعہ واردات پر پہنچ گئے۔ اس وقت تک یہ کیس ماڈل سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب کے پاس پہنچ چکا تھا جو کمرۂ امتحان میں موجود تھے۔ وہ نیک اور پارسا آدمی تھے۔ پابند صوم وصلوٰۃ باریش اور انتہائی دیانت دار مگر اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے میرے خلاف کیس تیار کرنے پر بضد تھے۔ ادھر میرے ہاکی انچارج اتنے ہی اپنی بات پر منت سماجت کر کے بڑی عجز وانکساری سے انہیں مجھے معاف کرنے کی استدعا اور درخواست پر قائم رہے تقریباً آدھ گھنٹے تک ان دونوں کے درمیان یہ سلسلہ جاری رہا۔ جس میں ہمارے ماسٹر خادم حسین بالآخر کامیاب ہو گئے اور مجھے معافی مل گئی۔ مجھے آج بھی ماڈل سکول کے ہیڈ ماسٹر جو امتحان کے سپرنٹنڈنٹ بھی تھے کا فقرہ یاد ہے جو انہوں نے مجھے معاف کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

''تم طالب علم ہمیں ایسے کام پر مجبور کر دیتے ہو جو ہم کسی قیمت پر بھی کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔''

اس کے بعد انہوں نے ایک نئی جوابی کاپی لی اور اس کا ''فرنٹ پیج'' باہر والا صفحہ اتار کر میری جوابی کاپی کے فرنٹ پیج کی جگہ لگا دیا اور مجھے کہا کہ اب اس پر اپنا رول نمبر لکھو اور اس طرح بڑی احتیاط کے ساتھ کاپی کے اندر کے دو جگہوں کے رول نمبر بھی ٹھیک کر دیے۔ جب یہ مکمل ہو گیا تو میری جان میں جان آئی اور میں نے اس پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ مصیبت ٹل گئی ورنہ جانے میرے خلاف یونیورسٹی والے کیا کارروائی کرتے۔ ایسی کارروائی بھی ہو سکتی تھی کہ میری طالب علمانہ زندگی ہی ختم ہو کے رہ جاتی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں باہر آیا تو ماسٹر خادم حسین مرحوم و مغفور میرے ساتھ تھے۔ مہر فیروز اور بشیر ہمارے انتظار میں تھے انہوں نے کہا کہ شکر ہے مصیبت ٹل گئی۔ ماسٹر صاحب نے ہم تینوں کو جو کچھ ان کی زبان پر آیا کہہ دیا کہ تم ایسے کام کرتے ہو جس میں ہمیں اپنی عزت اور اپنی عظمت کی قربانی دے کر تمہیں بچانا پڑتا ہے۔ بہرحال اس واقعے کے بعد میرے تو بشیر کے تعلقات ویسے ہی رہے لیکن مہر فیروز کافی عرصے تک بشیر سے روٹھا رہا اور اسے کہتا رہا کہ تم نے ہمارے ساتھ غداری کی ہے۔ اگر تم یہ کام نہیں کر سکتے تھے تو تم نے وعدہ ہی کیوں کیا تھا۔ پہلے ہی انکار کر دیا ہوتا۔ شبیر نے تو تمہاری ماں کے لیے خون تک دے دیا تھا۔ لیکن تمہاری غداری کی وجہ سے اسے کیسے مشکل مرحلے سے گزرنا پڑا۔ میں نے بالآخر دونوں کی صلح کرا دی اور اس طرح ہم تینوں دوست پھر ویسے ہی تھے جیسے اس واقعے سے پہلے ہوا کرتے تھے۔

سکول میں آخری دن:

مجھے یاد ہے کہ سکول میں ہمارا آخری دن تھا۔ ہمارے انچارج کلاس ماسٹر محمد یٰسین صاحب نے ہمیں اپنی دعاؤں کے ساتھ سکول سے رخصت کیا لیکن اس سے پہلے ہر لڑکے سے یہ پوچھتے رہے کہ تم اپنی زندگی میں کیا بننا چاہتے ہو، مستقبل میں تمہارا کیا ارادہ ہے؟ ہر لڑکے نے اپنی اپنی بات کہی۔ کسی نے کچھ اور کسی نے کچھ کہا جب مجھ سے پوچھا تو میں نے کہا کہ ”سر میں تو ٹیچر بننا چاہتا ہوں“ میرا جواب سن کر وہ ہنس دیے اور کہا کہ:

”اچھا تمہارا ابھی ہماری طرح بھوکا مرنے کا پروگرام ہے“

میں نے کہا کہ اللہ مالک ہے میں ان شاء اللہ بی۔اے، بی۔ٹی کر کے اپنی عملی زندگی کا آغاز کروں گا یا پھر ایم۔اے کر کے بطور لیکچرر قوم کی خدمت کروں گا۔

نتیجے کا انتظار اور ہماری بے چینی:

ہم نے امتحان دے کر پھر سے ہاکی کھیلنا شروع کر دی لیکن سر پر امتحان کا نتیجہ بری طرح سے سوار رہا۔ دن رات یہی فکر لاحق تھی کہ کیا بنے گا۔ مجھے تو آٹھویں جماعت سے ہی یہ احساس ہو گیا تھا کہ میں ایک غریب خاندان کا فرد ہوں پڑھوں گا نہیں تو پھر کیا کروں گا۔ ہاکی کا کھیل میرے ساتھ مالی تعاون کا ذریعہ بن گیا کہ تینوں سال ایک پائی خرچ کیے بغیر سلسلہ تعلیم جاری رہا۔ ہر سال کے شروع میں ہیڈ ماسٹر صاحب مجھے اور میرے کلاس انچارج کو بلاتے اور انہیں کہہ دیتے کہ میں نے شبیر کی فیس معاف کر دی ہے لہٰذا آپ اپنے رجسٹر پر نوٹ کر لیں۔ بغیر درخواست دیے میری فیس معاف ہوتی رہی اور میں پڑھتا رہا۔

جس دن نتیجے کا اعلان ہونا تھا صبح اٹھ کر نماز فجر ادا کی، خصوصی دعا مانگی اور ناشتہ کر کے پیدل سکول کے لیے روانہ ہو گیا۔ راستے میں نہ جانے کیا کیا خیالات آتے رہے کہ آج کیا ہوگا؟ اگر پاس ہو گیا تو آگے پڑھوں گا اور اگر فیل ہو گیا تو پھر کیا ہوگا؟ اس کے ساتھ ہی اندھیرا سا آنکھوں کے ارد گرد چھا جاتا اور دل بیٹھ جاتا۔ اسی سوچ میں تھا کہ سکول کا مین گیٹ میرے سامنے تھا اور میں بوجھل دل کے ساتھ سکول میں داخل ہوا۔ سکول کے بیرونی بلیک بورڈ پر ہمارا نتیجہ ایک کاغذ پر چسپاں تھا۔ لڑکوں کی کثیر تعداد وہاں پر موجود تھی میرا ایک قدم آگے بڑھتا تو کبھی وہی قدم میں پیچھے اٹھا لیتا کہ آگے تو نتیجہ ہے آخر جی کڑا کر کے اپنے اپنے نتیجے پر نظر ڈالی تو وہاں پر میرا پاس لڑکوں میں نام درج تھا اور میرے میٹرک کے نمبر بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میرے نام کے ساتھ ہی لکھے ہوئے تھے۔ مجھے اب بھی یاد ہے کہ میرے میٹرک میں چار سو چالیس (۴۴۰) نمبر آئے جو سیکنڈ ڈویژن بنتی تھی۔ میری آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے اور ایک ایسی کیفیت میں ایک عجیب قسم کی خوشی محسوس کر رہا تھا جو لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتی۔ میں اسی کیفیت میں ہی تھا کہ سکول کے چپڑاسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ:

''تمہیں ہیڈ ماسٹر صاحب یاد کر رہے ہیں میں کب سے تمہاری تلاش میں ہوں اور انہوں نے دو چار مرتبہ مجھے بلا کر پوچھا ہے کہ شبیر آیا ہے کہ نہیں۔ چلو جلدی سے میرے ساتھ چلو۔ ہیڈ ماسٹر صاحب تمہارا شدید انتظار کر رہے ہیں۔''

میں خود بھی انہیں ملنا چاہتا تھا۔ لہٰذا جلدی جلدی اُن کے دفتر کی طرف چلا اور اندر داخل ہوا تو ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا کہ:

''شبیر کیا بنا تمہارا؟ میں نے کہا کہ سر میں پاس ہو گیا ہوں۔ وہ اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور ایک مرتبہ پھر مجھ سے پوچھا کہ واقعی تم پاس ہو گئے ہو؟ میں نے دوبارہ کہا کہ سر واقعی میں پاس ہو گیا ہوں اور میں نے سیکنڈ ڈویژن حاصل کی ہے، چار سو چالیس نمبر۔ انہوں نے مجھے آگے بڑھ کر اپنے گلے سے لگا لیا اور مجھے انتہائی جذباتی انداز میں شاباش کہہ کر میری پشت پر تھپکی دی اور میرے بہتر مستقبل کے لیے دل سے دعا دیتے ہوئے اپنے دفتر سے کسی کام کے لیے باہر نکل گئے۔ جس کے بعد میں بھی اپنے دوستوں کو ملنے کے لیے باہر آیا تو فیروز اور بشیر دونوں میرے انتظار میں تھے۔ بشیر فرسٹ ڈویژن میں اور مہر فیروز تھرڈ ڈویژن میں پاس تھا۔ تینوں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور کافی دیر ہم ایک دوسرے کے ساتھ باتوں میں مصروف رہے اور پھر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے تو میں نے محسوس کیا جیسے دل کہہ رہا ہو

محنت ہے میرے شوق کا نوکر بنی ہوئی
ہر شے ہے رنگ و نور میں جیسے ڈھلی ہوئی

الغازی مشینری سٹور
ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں
بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501

© rasailojaraid.com